بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پاکستان میں آزادی کی صبح نمودار ہونے کے بعد ایک مخصوص طبقے کے اندر روپے کی جو اچانک ریل پیل ہوئی ہے۔ وہ اگر ایک نقطۂ نظر سے کسی حد تک خوش آئند ہے تو دوسرے نقطۂ نظر سے انتہائی تشویشناک بھی ہے اور یہ دوسرا پہلو اہلِ ملک کے وسیع تر مفادات کے پیشِ نظر اور خصوصاً ایک مسلم قوم کے زاویۂ نگاہ سے گہرے غور و فکر کا محتاج ہے۔ ہم جہاں اس بات سے قدرے خوش ہیں کہ ہمارے بھائی بندوں کو آزادی کے بعد اعتماد کے ساتھ تجارت کرنے کے کچھ ڈھنگ آ گئے ہیں اور ان کی وساطت سے چند ہزار یا چند لاکھ افراد کو روزگار میسر ہوا ہے، وہاں ہمیں اس بات سے سخت پریشانی بھی لاحق ہے کہ دولت کا یہ دھارا ایک ایسی سمت میں بہنے لگا ہے جس نے قوموں کو بالعموم تباہی اور بربادی کی طرف دھکیلا ہے اور خصوصاً مسلم قوم کے لیے تو اس کا یہ رخ ہمیشہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوا ہے۔ اس نے اگرچہ چند خوش نصیب لوگوں کی تجارتی کشتیوں کو ساحلِ مراد پر پہنچا کر انہیں اس قابل بنایا ہے کہ وہ دادِ عیش دے سکیں تو دوسری طرف اس کی تند و تیز رو نے دین و ایمان کی کھیتیوں کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے، اس سے اخلاق اور شرافت کے چمنستان برباد ہوئے ہیں، عفت و عصمت کے قلعوں میں شگاف پڑنے لگے ہیں اور اس کی تلاطم خیزیوں نے پوری قوم کو دو ایسے طبقات میں تقسیم کر دیا ہے جن کے درمیان بُعد ہر لحظہ بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے دُور ہونے کی کوئی تدبیر ممکن نظر نہیں آتی الا یہ کہ خود اللہ تعالیٰ رحم فرما کر اس خلیج کو پاٹ دے۔

اس اندوہناک صورتِ حال سے یوں تو دنیا کی کوئی قوم جس کے اندر زندہ رہنے

اور ترقی کرنے کا داعیہ موجود ہو۔ اغماض نہیں برت سکتی کیونکہ یہ چیز قوموں کے لیے عام طور پر جان لیوا ثابت ہوتی ہے لیکن مسلم قوم کا اس صورتِ حال سے غافل رہنا انتہائی خطرناک ہے۔ یہ نہ صرف اُس کے وجود کے لیے موت اور بربادی کا پیغام ہے بلکہ اُس مقدس مشن کے لیے بھی سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے جس پر امتِ مسلمہ کی فلاح و بقا کا دارومدار ہے۔ اس صورتِ حال سے تغافل ایک ایسا جرم ہے جو تاریخ میں نہ تو کبھی پہلے معاف کیا گیا ہے اور نہ کبھی معاف کیا جا سکتا ہے۔ یورپ کے اندھے مقلدین بے شک اسے ملکی ترقی اور استحکام سمجھتے رہیں لیکن فی الواقع یہ دولت و ثروت قوموں کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اس کی عادلانہ تقسیم اور صحیح استعمال سے جہاں قوموں کا معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے وہاں اس کی غلط تقسیم اور ناجائز استعمالات انہیں تباہی اور بربادی کی راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ مشہور مؤرخ ڈاکٹر گبن رومی قوم کے زوال پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"عیش پرستی کا یہ حال تھا کہ لوگ نکاح سے گھبراتے اور تجرّد کی زندگی کو زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں۔ . . جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہ غیر ممکن تھا کہ اس زمانے کے لوگ تن آسانیوں میں رہ کر زوال کے اسباب نہ دیکھتے۔ رومی زندگی میں ایک زہر سرایت کر رہا تھا، شعراء کی لوگ غلامانہ تقلید کرتے تھے۔ جدتِ طبع ختم ہو چکی تھی اور یہ ایسا تنزل تھا جس سے ان کے جذبات پست و ذلیل اور قویٰ پژمردہ ہو گئے تھے۔"

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں صالح اقتصادی نظام کی ضرورت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ ملک کے اقتصادی نظام کا اخلاقی اور مذہبی نظام سے کس قدر گہرا تعلق ہے فرماتے ہیں:

"جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیّش

گو انہوں نے اپنی زندگی کا مشغلہ بنا لیا اور آخرت کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب اُن کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تموّل پر فخر کرنے اور اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے جو عیش پسندوں کو دادِ عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامانِ عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول ہو گئے کہ اسبابِ تعیش کے فراہم کرنے میں وہ کس طرح ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں حتیٰ کہ ان کے امراء اور سرمایہ داروں کے لیے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو، یا اُن کے پاس عالیشان سربفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زائد نمائش کے لیے بیش قیمت سواریاں حشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں اور صبح و شام رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصہ طولانی ہے

ان دو شہرہ آفاق مفکرین کے ان اقتباسات میں ہر شخص دولت کی غیر عادلانہ تقسیم اور اس کے ناجائز استعمالات کا انجام دیکھ سکتا ہے۔ اس وقت جبکہ ہم تعمیر نو کا عزم لیکر اٹھے ہیں ہمیں اس معاملے میں کافی احتیاط کا ثبوت دینا چاہیے کہ کہیں ہمارے قدم بھی اُن غلط راستوں پر نہ پڑ جائیں جن پر چل کر ماضی میں قومیں تباہ ہوئیں اور خاص طور پر ایک مسلم قوم کی حیثیت سے تو ہماری ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ہم دنیا میں شاہد علی الناس ہیں اس بنا پر ہماری روش بڑے دُور رس

نتائج کی حامل ہے۔ ہمارے اندر فسق و فجور کا پھیلنا نہ صرف دنیا اور آخرت کا خسران ہے بلکہ دوسری اقوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ ہم اس فاسقانہ طرز زندگی کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس زندگی کو اختیار کر لینے کے بعد ہم بھی لازمی طور پر اُسی انجام بد کو پہنچیں گے جس تک کہ دنیا کی دوسری عیاش قومیں پہنچی ہیں۔ اور حشر کے دن ہم دوہرے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ایک عذاب ہماری اپنی بداعمالیوں کا اور دوسرا عذاب کہ ہم نے غلط روش اختیار کر کے ہزاروں بندگانِ خدا کو اپنے طرز عمل سے اسلام سے متنفر کیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم میں اپنی ان ذمہ داریوں کا جلد از جلد احساس پیدا ہو اور ہم ان فرائض سے کما حقہٗ عہدہ برا ہو سکیں جو دولت آجانے کے بعد ایک مسلم قوم پر عائد ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں قرآن مجید ہمیں سب سے پہلے اس حقیقت سے روشناس کراتا ہے کہ اگرچہ دنیا کی یہ ساری نعمتیں اور ساز و سامان ہمارے لیے پیدا کیے گئے ہیں لیکن ہم ان کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ ہمارا مقصدِ حیات یہ ہے کہ ہم خداوند عالم کی عطا کردہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اُس کی رضا حاصل کریں اور اس طرح آخرت میں فلاح و کامرانی کی دولت فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اسے ہماری کوتاہ نظری کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (دنیا میں جو کچھ ہے سب انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے) کو تو یاد رکھا ہے مگر يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے) کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ سارا مغالطہ اسی اُلٹی منطق اور اصلی اسلامی منطق کے صرف ایک مقدمہ اَلدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ کو یاد رکھنے اور دوسرے وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ کو فراموش کر دینے کا ہے۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ اس دوسرے جزو کو ترک کر دینے سے ہمارے فکر و نگاہ کے زاویے کس حد تک غلط ہو گئے ہیں۔ ہم نے اب

زندگی کا مقصود و مطلوب صرف مال و دولت کو بنا لیا ہے اور ہم بندۂ خالق بننے کی بجائے بندۂ زر بن گئے ہیں۔

ممکن ہے کوئی صاحب ہماری ان گذارشات کو پڑھ کر یہ کہیں کہ ہم صرف مال و دولت حاصل کرتے ہیں اس کی بندگی اور اطاعت تو نہیں کرتے مگر یہ محض فریبِ نظر ہے۔ انسان خواہ زبان سے خداوند تعالیٰ کو اپنا معبود مانتا رہے لیکن ایک فرد کا اصل معبود وہی ہوتا ہے جس کے لیے وہ اپنی قیمتی سے قیمتی متاع قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ آپ اب اسی معیار کو سامنے رکھ کر ملک کی کاروباری زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ملک کی ایک عظیم اکثریت صرف دولت کمانے کے چکر میں گرفتار ہے اور اس راستے میں کوئی چیز بھی اس کی مزاحم نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ دیکھتا ہے کہ سمگل کرنے سے اُس کے مال میں اضافہ ہو سکتا ہے تو وہ اس غیر قانونی پیشے کو بلا تکلف اختیار کرتا ہے۔ اگر بلیک مارکیٹ سے اُس کا پیٹ بھرتا ہوا نظر آتا ہے تو وہ بادنیٰ تامل اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اُس کے ان انسانیت کُش اور غیر اسلامی افعال سے ملک اور قوم کا کس قدر نقصان ہو رہا ہے۔ ملک اور قوم کو بھی چھوڑیئے وہ بندۂ زر و دولت کے آستانہ پر ضمیر و ایمان، اخلاق و شرافت الغرض نیکی، خدا ترسی اور انسانیت دوستی کی تمام بیش قیمت اقدار کو بلا تکلف بھینٹ چڑھاتا ہے اور اس راہ میں مکر و فریب، رشوت اور لالچ، ظلم و تعدی کے ہر بُرے سے بُرے حربے کو آزمانے سے نہیں چوکتا۔ کیا ہماری آنکھیں اس صورتِ حال کا ہر روز مشاہدہ نہیں کرتیں اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اگر ہم یہی کہتے رہیں کہ نہیں ہم معبود اپنے خالق کو ہی مانتے ہیں تو یہ محض ہماری ابلہ فریبی ہے۔ جو شخص مذہب ضمیر اور اخلاق تک کو دولت کے لیے قربان کر دے۔ وہ اگر دولت کو اپنا معبود نہیں سمجھتا تو اور کیا سمجھتا ہے؟

پھر دیکھیے کہ یہ دولت جس کی اصلی و طبعی غایت تو دین و دنیا کی صلاح و فلاح میں اس کا استعمال و انفاق ہے۔ اُسے ہم نے عملاً مشکل کشا اور قاضی الحاجات بنا رکھا ہے۔ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر دولت پاس ہو تو ہمیں اپنے کسی معاملے میں دشواری پیش نہ آسکے گی۔ اور یہ چیز بیماری، آزاری، بڑھاپے، معذوری اور آخرت میں، الغرض ہر حالت میں ہماری حاجت روائی کرتی رہے گی۔ قرآن مجید اسی ذہنیت کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا وَّاُولٰٓئِكَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاللّٰهُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۔ (آل عمران)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، خدا کے مقابلہ میں مال اور اولاد کوئی چیز بھی ان کے کام نہیں آسکتی بالآخر ان کو جہنم کا ایندھن ہی بننا پڑے گا۔ جیسا کہ فرعون اور ان سے پہلے والوں کا حال ہوا کہ (مال و اولاد کے گھمنڈ میں) ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس ان کو ان گناہوں کی پاداش میں آخرکار خدا نے پکڑ لیا اور خدا (ایسوں کو) سخت سزا دینے والا ہے۔

یہی نہیں بلکہ دنیاوی مال و متاع سے محبت کا جو رشتہ ہم نے استوار کر رکھا ہے اُس کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد ہر شخص اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ہم اس "ڈھلتی چھاؤں" کو اپنی حماقت سے کوئی ابدی اور غیر فانی چیز سمجھ بیٹھے ہیں۔ جمع مال کی اس دہری ضلالت کو قرآن مجید نے دو ہی بلیغ فقروں میں بیان کر دیا ہے:

اَلَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۔ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَةِ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَةِ ۔

جو مال جمع کرتا اور اس کے حساب کتاب میں لگا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ سدا باقی رہے گا، ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ شخص حطمہ میں جھونک دیا جائیگا اور جانتے ہو حطمہ کیا ہے۔ اللہ کے حکم سے سلگائی ہوئی آگ جو دلوں پر چھا جاتی ہے۔

امام راغبؒ نے مفردات میں خلود کی لغوی تصریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الخلود هو تبرى الشئ عن اعتراض الفساد وبقاءها على الحالة التى هو عليها

خلود کے معنی ہیں کہ چیز کا خرابی سے محفوظ اپنے حال پر علیٰ حالہٖ قائم رہنا۔

قرآن مجید پھر اس امر کی بھی پوری طرح صراحت کرتا ہے کہ مال و متاع کی فراوانی ہر حال میں خیر ہی نہیں بلکہ یہ عذاب کا ذریعہ بھی ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ (مومنون۔ رکوع ۴)

ہم ان کو مال و اولاد جو دیتے چلے جاتے ہیں تو کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ہم ان کو جلد از جلد فائدے پہنچا رہے ہیں بلکہ یہ (احمق) سمجھتے نہیں کہ یہ دراصل ڈھیل ہے۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے انداز میں اس حقیقت کو بیان فرماتا ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو اس بات کی نصیحت بھی کرتا ہے کہ زر و مال کی یہ بہتات تمہاری نظروں کو خیرہ نہ کر دے یہ درحقیقت پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں۔ یہ لوگ سخت احمق ہیں جو اپنی اس آزمائش کو فلاح و کامرانی سے تعبیر کرتے ہوئے اس پر اترا رہے ہیں۔ یہ سارا کھیل محض چند دنوں کا ہے اور جب ان کی آنکھوں سے خود فریبی کے یہ پردے ہٹ جائیں گے تو پھر انہیں معلوم ہوگا کہ وہ کس قدر دھوکے میں مبتلا رہے ہیں۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (توبہ۔ ع ۱۱)

ان کی مال داری اور ان کی کثرتِ اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے (یہ ان کے حق میں کوئی نعمت نہیں بلکہ) اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

(باقی صـ پر)

(بقیہ اشارات)

سورۂ منافقون میں خود مسلمانوں کو مال و دولت سے اس طرح ڈرایا کہ دیکھو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔

اے ایمان والو! تمہارے اموال و اولاد کہیں تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریں گے وہ گھاٹے ہی میں رہنے والے ہونگے۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے اس امر کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ مال و متاع کی یہ فراوانی اگر غلط ہاتھوں میں ہو تو وہ نہ صرف اُس شخص کے لیے وبالِ جان بنتی ہے بلکہ اس کے ذریعے غلط کار لوگوں کے اندر گمراہی پھیلتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یہی مال لوگوں کو بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے کا ایک موثر ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اس مال کی بربادی اصلاحِ حال کے لیے ازحد ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑی دلسوزی کے ساتھ رب العزت کی بارگاہ میں کہتے ہیں:

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ۔

(یونس – ۸۰)

پروردگار! تونے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب! کیا وہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں۔ اے رب! اُن کے مال غارت کردے۔

شیطان کو جب اولادِ آدم کے گمراہ کرنے کی مہلت ملی تو اس گمراہی کے ذرائع میں اولاد کے ساتھ دنیاوی مال و متاع کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ گمراہی کی جس قدر راہیں ممکن ہیں ان میں مال کی راہ سب سے زیادہ پرفریب ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (بنی اسرائیل - ۷)

تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے، ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، مال و اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا، اور اُن کو وعدوں کے جال میں پھانس — اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں۔

قرآن مجید کے علاوہ حدیث میں بھی دولت کے اسی پہلو کے متعلق بہت سی تصریحات ملتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سلسلہ میں ایک مشہور دعا مروی ہے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ مَالٍ يَكُوْنُ عَلَىَّ عَذَابًا۔

(اے اللہ) میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے جو میرے لیے عذاب ہو جائے۔

اسی طرح بخاریؒ کی ایک حدیث میں بطور بد دعا زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے

تعس عبد الدینار و الدراھم — ہلاک ہو بندۂ درہم و دینار

ایک دوسرے موقع پر حضور سرور کائنات نے دولت کی انہی ہلاکت خیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں جس بات سے تم پر اپنے بعد ڈرتا ہوں وہ دنیا کی سرسبزی اور شادابی اور آرائش کے دروازوں کا تم پر کھل جانا ہے۔"

اسی مطلب کو ترمذی میں کعب بن عیاضؓ نے اس طرح روایت کیا ہے:

"ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی فتنہ رہا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔"